ساختیات

(ایک تعارف)

ڈاکٹر محمد الطاف آہنگر (الطاف انجم)

بیسویں صدی میں جس تنقیدی نظریے نے ادب کی ماہیت، زبان کی نوعیت، مصنف کی ذات، قاری کے تفاعل اور متن کی قرأت کے مروّجہ تصورات کی بنیادیں متزلزل کردیں وہ ساختیاتی تنقید ہے۔ ساختیاتی تنقید دوسرے تنقیدی نظریات مثلاً مارکسی، جمالیاتی، نفسیاتی، تاریخی تنقید وغیرہ سے مختلف ہوتے ہوئے بھی ایک ایسا تنقیدی نظریہ ہے جس نے بیسویں صدی کے ادب کی شعریات کو محسوس و نامحسوس حد تک متاثر کیا۔ اس کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ اس نے ادب کے ثقافتی انسلاکات کے نئے تصورات کو جنم دیا جو عالمی ادب میں اپنی نوعیت اور ماہئیت کے اعتبار سے بالکل منفرد اور ممتاز تھے۔ ہر چند کہ ''ساختیاتی تنقید'' لفظ ساختیات سے مماثلت تو رکھتی ہے لیکن حقیقتاً ان کا کوئی خاص باہمی تعلق نہیں ہے اگر ہے بھی تو اس حد تک کہ ان دونوں کے محور و مرکز ثقافت اور اس کے متعلقات ہیں لیکن ساختیاتی تنقید کو سمجھنے کے لیے ساختیات ہی معاون و مددگار ثابت ہوسکتی ہے بلکہ اکثر و بیشتر موقعوں پر راہ نمائی بھی کرتی ہے۔

یہاں پر ساختیات سے جو معنی اور مفہوم مراد لیے جاتے ہیں اس کا لفظ ساخت کے عمومی لفظ سے کوئی علاقہ نہیں۔

ساختیات کا لفظ سنتے یا پڑھتے ہی ہمارا ذہن ساخت کی طرف منتقل ہوجاتا ہے ساخت سے ہم عمومی طور پر ہیئت، شکل، صورت، ڈھانچہ، بناوٹ، وضع، ترکیب، ڈول وغیرہ مراد لیتے ہیں لیکن یہ بات حیرت انگیز معلوم ہوتی ہے کہ ساختیات کا ساخت سے کوئی تعلق نہیں (جیسا کہ اوپر مذکور ہوا ہے)۔ ساختیات میں لفظ ساخت ایک غیر معمولی اور منفرد اصطلاحی مفہوم کا حامل ہے۔ اُردو کے معتبر اور صاحبِ نظر نقاد ڈاکٹر ناصر عباس نیّر نے اُس کی تفہیم نہایت ہی احسن طریقے سے کی ہے۔ اُن کی تحریروں کے مطالعے کے بعد جو نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں اُن کو ذہن میں رکھ کر یہی کہا جاسکتا ہے کہ بیسویں صدی میں جب علمی اور ادبی حلقوں میں ساختیات کو پیش کیا گیا تو اس سے پہلے ساخت تین اصطلاحی معنوں میں رائج تھی۔ ایک کا تعلق آرکیٹکچرل ساخت سے تھا۔ دوسرے نامیاتی ساخت سے عبارت تھی اور تیسرے ریاضیاتی ساخت کے بطور رائج تھی۔ آرکیٹکچرل ساخت سے مراد مختلف اجزاء کا وہ منظّم اور مربوط نظام ہے جو ان کو کل کی شکل بخشتا ہے یعنی ہر جز و کو کل کے طور پر بھی دیکھا جاسکتا ہے اسی

طرح نامیاتی ساخت کا تعلق انسانی اجسام سے ہے۔ جسم کے اعضاء و جوارح ایک دوسرے میں پیوسط ہوتے ہیں اور ان کو الگ الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا ہے بلکہ الگ کرنے سے ان کا وجود ختم ہو جائے گا۔ ریاضیاتی ساخت مذکورہ دو ساختوں کی طرح ٹھوس اجزاء نہیں رکھتی بلکہ یہ تجریدی رشتوں پر مشتمل ہوتی ہے لہذا یہ ایک استدلالی اور تعقلاتی ماڈل ہے جو مختلف اور متنوع سماجی اعمال اور ثقافتی بوقلمونیوں کو ظاہر کر سکتا ہے ریاضیاتی ساخت ان کی ماہیت اور کارکردگی کی توضیح کچھ اس طور پر کر سکتا ہے کہ ان کی کلیت کو گرفت میں لیا جا سکتا ہے۔ ریاضیاتی ساخت کے اجزاء کل کے ساتھ ان کے رشتے کی مرہون منت ہوتے ہیں۔

ساختیات نے آرکیٹکچر ل اور نامیاتی ساخت سے صرفِ نظر کر کے صرف ریاضیاتی ساخت کو قدرے بہ نظر استحسان دیکھا وہ اس لیے کہ انیسویں صدی کی معاشرتی سائنسوں میں ریاضیاتی ساخت کو ہی اپنانے کی روش عام ہو چکی تھی اور یہ ساختیات مختلف سماجی اور ثقافتی مظاہروں کے درمیان مماثلت اور یکسانیت کے رشتوں کو دریافت کرنے کی خواہاں تھی جبکہ ساختیات نے اپنے مطالعے اور طریقہ کار میں افتراقات کو بنیاد بنایا لیکن ریاضیاتی ساخت اور ساختیات نے ثقافت اور اس کے انسلاکات کو اپنے مطالعے اور مشاہدے کا محور و مرکز بنایا۔ ساختیات کی تعریف و توضیح کرتے ہوئے گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں:

> ''ساختیات بنیادی طور پر ادراکِ حقیقت کا اصول ہے۔ یعنی حقیقت یا کائنات ہمارے شعور و ادراک کا حصّہ کس طرح بنتی ہے۔ ہم اشیاء کی حقیقت کو انگیز کس طرح کرتے ہیں، یا معنی خیزی کن بنیادوں پر ہے، اور معنی خیزی کا عمل کیوں کر ممکن ہوتا ہے اور کیوں کر جاری رہتا ہے۔........................نشانیات کی سعی و جستجو کا بڑا میدان ثقافت ہے۔ ثقافت کے یہ ہر مظہر کی تہہ میں تجریدی رشتوں کا ایک نظام کارفرما ہے جس کی بدولت معنی خیزی کا تفاعل جاری رہتا ہے۔ زبان تو ثقافت کی مرکزی مظہر ہے ہی، پرانے قصے کہانیاں، متھ اساطیر، دیومالا، رسم و رواج، ...... رہن سہن، خورد و نوش، آرائش و زیبائش، نشست و برخاست، ادب و آداب، طور طریقے، تیج تہوار، میل ٹھیلے، کھیل تماشے وغیرہ ثقافت کے بیسوں زمرے ہیں۔ ہر زمرے میں عناصر کے پس پشت رشتوں کا ایک نظام ہے جس کے تفاعل سے معنی کی ترسیل ہوتی ہے۔ گویا عناصر میں رشتوں کا نظام جو نوعیت کے اعتبار سے تجریدی ہے اور جو ارتباط و

تضاد کے دوہرے تفاعل کا حامل ہے، اور جس کی بدولت معنی قائم ہوتے ہیں، ساخت (Structure) کہلاتا ہے (واضح رہے کہ ساخت کا یہ تصور نئی تنقید کے Structure اور Texture کے تصور سے بالکل ہٹ کر ہے۔ نیز اس سے مراد گڑھت یا ڈھانچہ بھی ہرگز نہیں'' 48

مذکورہ اقتباس سے ساختیات کے وسیع ترین مفاہیم سامنے آجاتے ہیں ساختیات کا تصور اگرچہ بیسویں صدی کی فکریات کا ایک اہم ستون ہے تاہم اس تفکیرے رویّے نے انیسویں صدی میں ہی غوں غاں کرنا سیکھا تھا البتہ انیسویں صدی اور بیسویں صدی کی ساختیات میں خط امتیاز اس طرح کھینچا جا سکتا ہے کہ اولالذکر نے سماجی ساخت کو اپنا محور و مرکز تصور کیا تھا جبکہ بیسویں صدی میں ساختیات ثقافت اور اس کے انسلاکات کو محیط ہے، اس اعتبار سے بیسوی صدی کی ساختیات کا دائرہ کار نہایت وسیع ہے۔ اس نے علوم وفنون، فکر وفلسفہ، معاشرتی اور طبیعاتی سائنس کو اپنے حلقہ اثر میں لے لیا۔ ناصر عباس نیّر کے مطابق:

''انیسویں صدی کی ''ساختیات'' (جسے بعض نے Palaeo Structuralism کہا ہے) کا تعلق سماجی ساخت سے ہے، جبکہ بیسویں صدی کی ساختیات کلچر سے متعلق ہے۔ نہ صرف آخرالذکر کا دائرہ کار وسیع ہے بلکہ اس کا طریق کار بھی سائنسی ہے۔'' 49

بیسویں صدی میں ساختیات کو منضبط اور مستحکم انداز میں پیش کرنے کا سہرا سویزرلینڈ کے فرڈی نینڈ ڈی سوسئیر (Ferdinand De Saussuare 1857-1913) کے سر ہے۔ لیکن کچھ لوگ لیوی اسٹراس (Levi Strauss) کو ساختیات کا بنیاد گزار گردانتے ہیں کیوں کہ اس نے لسانیاتی ساختیات کے تعلق سے اہم انکشافات کیے ہیں' لیوی اسٹراس نے سب سے پہلے 1945ء میں اپنے ایک مضمون میں جو رسالہ ward میں شائع ہوا توجہ دلائی کہ ساختیاتی لسانیات کے ماہرین جس 'صوتیاتی انقلاب' کی نوید دے چکے ہیں اس کے طریق کار اور تصورات سے بشریات میں بھی استفادہ کیا جا سکتا ہے اور نئے امکانات کی جستجو کی جا سکتی ہے۔ بعد میں اپنی شہرۂ آفاق کتاب Anthropologic structurale (paris 1958) میں لیوی اسٹراس نے نہایت بصیرت افروز اور فکر انگیز مطالعات پیش کیے۔ لیوی اسٹراس کے اس بنیاد گزارانہ کام کے بعد گویا جستجو اور غور و فکر کی ایک نئی راہ کھل گئی۔ جیسے جیسے وقت گذرتا گیا فکر انسانی کے لیے اس ماڈل کی اہمیت واضح ہونے لگی۔'' 50۔ یہاں پر یہ نکتہ اور ابھر رہا ہے کہ آیا ساختیات کو فنون اور علوم میں متعارف کرانے اور اسے نئے فکری ابعاد سے انگیز کرانے کے

معاملے میں تقدم لیوی اسٹراس کو حاصل ہے یا سوسیئر کو۔اس سلسلہ میں عرض کرنا ہے کہ سوسیئر نے اپنے طلبہ کو 1906ء سے 1911ء تک جو لکچر دیے اس کی وفات (1913ء) کے بعد اس کے شاگردوں نے ان کو مرتب کر کے Course De Linguistque Generale کے نام سے منصہٴ شہود پر لایا(اس کتاب کا انگریزی ترجمہ بعد میں The Course of General Linguistics کے نام سے کیا گیا ہے۔کتاب چونکہ فرانسیسی زبان میں تھی اس لئے قرین قیاس ہے کہ اہل یورپ نے اس سے اخذ واستفادہ کیا ہوگا۔لیکن اس سے یہ قضیہ حل نہیں ہوتا کہ ساختیات کے بنیاد گذار ہونے کا سہرا کس کے سر رکھا جائے۔ساختیات سے متعلق مزید مطالعات نے لیوی اسٹراس اور سوسیئر کے فکری سرچشموں کے ڈانڈے امانیول کانٹ سے ملائے ہیں بلکہ بعض محققین کا دعویٰ ہے کہ ساختیات کی فکری اساس امانیول کانٹ کے افکار سے مستعار لی گئی ہے بلکہ سوسیئر اور لیوی اسٹراس جو ساختیات کے بنیادگزار کی حیثیت سے مشہور ہیں، نے کانٹ کے فلسفے کو ہی اپنی زبان میں پیش کیا ہے۔اس طرح کے انکشافات کے بعد سوسیئر کو ساختیات کا باوا آدم ماننے ہر کوئی محقق اور نقاد تامل سے کام لیتا ہے۔اوراس تامل کی وجہ یہ ہے کہ اسی کی ذات نے ساختیات کو فلسفیانہ ڈسکورس کا حصہ بنایا۔واضح رہے کہ سوسیئر نے کائنات اوراس کے مختلف مظاہر کی افہام وتفہیم کے لیے زبان کے وجود کو ناگزیر اہمیت عطا کی ہے اور تمام ثقافتی اور تہذیبی رسوم ورواجات کو زبان کے تابع کر دیا۔اس کے مطابق زبان کے علامتی نظام کے بغیر سماج کی تشکیل وتعمیر ناممکن ہے غرض اس نے فلسفیانہ دنیا میں یہ طرح ڈالی کہ زبان کے وجود کے بغیر کائنات اور سماج کے وجود کا تصور محال ہے۔احمد سہیل کے بقول:

> ’’ساسیر نے بیسویں صدی کے شروع میں ہی زبان کی اجتماعی اور معاشرتی نوعیت پر روشنی ڈالتے ہوئے زبان کے سماجی ڈھانچے سے بحث کی نہ کہ فرد کی بولیوں اور اندازِ بیان سے۔‘‘51

یہاں پر یہ بحث ضروری ہے کہ ساختیات نے اپنی فکری اور فلسفیانہ اساس لسانیات پر استوار کی۔اوراس کو بیسویں صدی میں بصیرت افروز اور عالمانہ انداز سے متعارف کرانے میں سوسیئر نے اہم کام کیا ہے۔سوسیئر نے زبان کے متعلق ایسے حیرت انگیز تصورات پیش کیے جن سے ماضی کی بہت ساری روایتوں پر کاری ضرب پڑ گئی۔مصنف، زبان، قاری، متن، زمانہ، ثقافت، زندگی کے مروجہ تصورات کو سوسیئر نے رد کر کے ادب کی ایک نئی شعریات مرتب کی جس نے بیسویں صدی کے اکثر مکاتیب فکر کو متاثر کیا مثلاً بشریات، نفسیات، تاریخ، عمرانیات، وغیرہ براہ راست اس کی فکر کی زد میں آ گئے۔زبان کے متعلق سوسیئر کے

خیالات زبان کے اُس تاریخی مطالعہ (Philology) کے ردِعمل میں سامنے آئے جو کسی مخصوص زبان کے تاریخی ارتقا، امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ مختلف نشیب وفراز اور اس کی موجودہ صورتِ حال سے بحث کرتے ہیں۔ لسانیات کے اس مطالعہ میں زبان کی نحوی، صوتی، تکلمی اور معنیاتی سطحوں پر ہونے والی تبدیلیوں اور ان تبدیلیوں کے اسباب کے بارے میں معلومات حاصل کی جاسکتی ہے۔ نیز ان عناصر کا پتہ لگایا جاسکتا ہے جو ایک زبان کو تاریخی تغیر وتبدل کے مراحل سے گزار کر موجودہ صورتِ حال سے آشنا کراتے ہیں۔ سوسئیر نے لسانیات کے مطالعے کے لیے زبان کے Diachronic کے بجائے Synchronic مطالعے کو اہمیت دی ہے۔ Diachronic مطالعے میں ہم کسی زبان کا تاریخی مطالعہ کرتے ہیں، مختلف ادوار میں اس پر مختلف اثرات کو بھی تاریخی مطالعے (Diachronic) کا موضوع بنایا جاسکتا ہے۔ سوسئیر نے زبان کے مطالعے کے لیے یک زمانی (Synchronic) مطالعہ کو اہمیت دے کر حیرت انگیز تصورات پیش کیے۔ اس کے مطابق زبان کا تاریخی مطالعہ اس سوال کا جواب دینے سے قاصر ہے کہ کسی خاص لمحہ میں زبان کس طرح ابلاغ اور ترسیل کا کام کرتی ہے؟ اور تاریخی مطالعہ یہ بتانے میں ناکام ہوگیا ہے کہ زبان کے اندر کون سے اصول وضوابط ہوتے ہیں جو زبان میں برابر کارفرما ہوتے ہیں جن کی موجودگی سے زبان نہ صرف اظہار وابلاغ کے مکمل اور جامع نظام کی صورت میں سامنے آتی ہے بلکہ ثقافتی تشکیلات میں بھی معاون ومددگار ثابت ہوتے ہیں؟ ان سوالات کا جواب دینے کے لیے سوسئیر نے زبان کا یک زمانی مطالعہ (Synchronic) کرکے اہم نکتے پیش کیے:

> ''زبان کا وحدانی نظام وقت کی کسی ایک سطح پر 'خودکفیل' ہوتا ہے (جس کو ہم ہر روز برتتے اور محسوس کرتے ہیں) اس لیے زبان کا مطالعہ 'حاضر وقت کی سطح پر ممکن ہے۔' حاضر وقت کے مطالعے کو سوسئیر 'Synchronic' مطالعہ کہتا ہے اور ثابت کرتا ہے کہ حاضر وقت کا مطالعہ ہی سائنسی مطالعہ ہوسکتا ہے''52

یہ بات صحیح ہے کہ سوسئیر زبان کے داخلی اور مرکزی اصول کی تلاش وجستجو میں بہت آگے نکل گئے جس کی وجہ سے ان کی لسانیات سائنس کے قریب ہوگئی بلکہ وہ لسانیات کو سائنس بنانے کے متمنی تھے۔ سوسئیر کے نزدیک لسانیات کا سرچشمہ ثقافت ہے۔ اس طرح سوسئیر کی لسانیات فلسفہ کے قریب جا پہنچتی ہے۔ سوسئیر نے اس اصول کو لسانی ساخت کا نام دیا ہے:

"The linguist must take the study of linguistic structure as

his primary concern and relate all other magnifications of language to it." 53

سوسئیر نے زبان کی کارکردگی کو سمجھنے کے لیے زبان کا تصور دو طرح سے کیا ہے۔ ایک کو اس نے لانگ (Langue) اور دوسرے کو پارول (Parole) کہا ہے۔ لانگ سے مراد زبان کا وہ جامع نظام ہے جسے زبان کا گرائمر یا قاعدہ کہہ سکتے ہیں جس کی مدد سے ترسیل و ابلاغ ممکن ہو پاتا ہے۔ یہ لانگ زبان بولنے والوں کے ذہن میں موجود رہتا ہے لیکن یہ اس کے شعور سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ اس طرح لانگ کے نہ ہونے سے ابلاغ و اظہار کے راستے مسدود ہوتے ہیں۔ جبکہ پارول سے سوسئیر گفتار یا تکلم مراد لیتا ہے یعنی زبان کا وہ استعمال جو زبان بولنے والا کوئی انسان کرتا ہے۔ گویا لانگ ایک تجریدی نظام ہے اور پارول محض اس کا وہ حصہ ہے جو کوئی فرد کسی وقت بول چال کے لیے استعمال میں لاتا ہے۔ سوسئیر نے اس بات کو شطرنج کے کھیل کی مثال سے سمجھایا ہے کہ شطرنج کی کوئی بھی بازی شطرنج کے تمام اصولوں کو بروئے کار نہیں لاتی، لیکن ہر بازی (جو دوسری بازی سے مختلف بھی نہیں ہوتی ہے) ممکن اس لیے ہے کہ وہ شطرنج کے کلی اصولوں سے ماخوذ ہے۔ یعنی کھیل کے اصول اپنا کلی نظام رکھتے ہیں۔ جو تجریدی طور پر موجود ہے اور کوئی بھی چال اس کلی نظام ہی کی رو سے چلی جاسکتی ہے۔ گویا شطرنج کے کھیل کا کلی نظام Langue سے مشابہہ ہے اور شطرنج کی ہر بازی Parole ہے۔ ایک تجرید ہے دوسرا واقعہ۔ یعنی کہ لانگ اپنا اظہار پارول کے توسط سے کرتا ہے۔ ناصر عباس نیّر نے لانگ اور پارول کے باہمی تعلقات کے متعلق لکھا ہے:

''لانگ اگر تجریدی ساخت ہے تو پارول اس کا ٹھوس مظہر ہے۔ لانگ لاشعور ہے تو پارول شعور ہے۔ جس طرح لاشعور، شعور کے راستے سے ظاہر ہوتا ہے اور صرف اسی طریقے سے لاشعور کو سمجھا جاسکتا ہے اسی طرح لانگ اپنا اظہار پارول کے ذریعے کرتی ہے اور لانگ کو پارول کے ذریعے ہی گرفت میں لیا جاسکتا ہے۔ مگر واضح رہے کہ اس سے لانگ پر پارول کی برتری ثابت نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ پارول کے سارے ممکنات اور امکانات لانگ کے مرہون ہیں۔ پارول خود مکتفی نہیں ہے۔ یہ جو تحریر و تقریر کے بے حساب پیرائے موجود ہیں یا موجود ہو سکتے ہیں یہ سب لانگ کے سبب ہیں، یعنی زبان کی اس داخلی اور تجریدی ساخت کی وجہ سے ہیں، جسے کسی زبان کے بولنے والوں نے یکساں طور پر جذب کر رکھا ہے۔ یوں

لانگ جہاں ابلاغ کو ممکن بناتی ہے وہاں یہ اظہار کے لامحدود امکانات کی تخلیق کا سرچشمہ بھی ہے۔'' 54

یہ بات قابل ذکر ہے کہ انسان لسانی صلاحیت (Linguistic Competence) کو خود تخلیق نہیں کرتا ہے بلکہ یہ فطرت کی طرف سے اس کو عطا ہوتی ہے۔ لسانی اظہار کے تمام تر ضابطے اور قاعدے معاشرے ہی متعین کرتا ہے۔ سوسئیر کے الفاظ میں:

"The faculty of articulating words is put to use only by means of the linguistic instrument created and provided by society." 55

غرض یہ سماج ہی ہے جو زبان کے سارے نظام، اور اس کے اسالیب اور اطوار خلق کرتا ہے۔ اس طرح اگر لسانی نظام سماج یا ثقافت کا پیدا کردہ ہے تو اس سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ زبان کسی خاص فرد یا شخص کی پیداوار نہیں بلکہ یہ ان افراد کے مجموعہ کی زائیدہ ہے جو سماج میں رہتے ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ کوئی بھی شخص سماج کے تشکیل شدہ لسانی نظام سے انحراف وانقطاع کا راستہ اختیار نہیں کرسکتا اور اگر کوئی اس نظام کو رد کرتا ہے تو گویا وہ سماجی دائرہ سے باہر ہوتا ہے۔ نیز انسان زبان کو پیدا نہیں کرتا بلکہ اسے سماج میں رہ کر افراد کے اجتماع نے پیدا کیا ہے انسان سماج میں رہ کر زبان سیکھتا ہے۔ اس بحث کے حوالے سے جب ساختیات پر نظر دوڑاتے ہیں تو ساختیات نے بھی فرد کو کوئی اہمیت نہیں دی بلکہ ساختیات کا مرکز ومحور پورا سماج ہے علی الرغم افراد کے اس اجتماع نے فرد کے تصور کو سرے سے ہی رد کردیا۔ اس کی ایک یہ وجہ ہے کہ جب ساختیات کو عروج حاصل ہوا اس وقت جدیدیت یا وجودیت پورے شباب پر تھی جس میں فرد کو مرکزی مقام حاصل تھا۔ ساختیات نے اس کے ردِعمل میں فرد کے بجائے پورے سماج کو محترم اور معتبر ٹھہرایا بلکہ سماجی اور ثقافتی روایات ساختیات کا بنیادی حوالہ تصور کی جانے لگیں۔

سوسئیر نے زبان کو نشانات (Signs) کا مجموعہ قرار دیا ہے اس کے مطابق زبان کی کلیت کو گرفت میں لے کر ہی اس کے مختلف عناصر کے درمیان تجریدی رشتوں کو دریافت کیا جا سکتا ہے۔ اس نے زبان کے اس مروجہ تصور پر کاری ضرب لگادی جس کی رو سے زبان اسم دہی (Nomenclature) کے عمل سے عبارت ہے یعنی زبان اسما کے ذریعے اشیا کو جاننے

اور پہچاننے کے اصولوں کا نام ہے۔سوسئیر کے نزدیک زبان اور فطرت کا کوئی تعلق نہیں اور اس طرح انہوں نے الفاظ کو خیالات اور اشیا سے آزاد اور خودمختار تصور کیا ہے،سوسئیر زبان کو ہیئت قرار دیتا ہے اور لسانی اکائی (لفظ) کو لسانی نشان مانتا ہے۔اس کے مطابق:

"A linguistic sign is not a link between a thing and a name but between a concept and a sound pattern." 56

اس طرح سوسئیر نے زبان کو مواد کے بجائے ہئیت (Form) قرار دے کر اس کے متعلق مروج تصورات کو رد کر کے علمی اور فلسفیانہ دنیا میں ایک فکری انقلاب بپا کردیا ہے۔اس کے نزدیک زبان صرف لفظوں کے ذریعے عمل آرا نہیں ہوتی بلکہ یہ نشانات کے نظام (System of signs) سے کام کرتی ہے اور لفظ محض اس کا ایک سرا ہے اور یہ نظام نشانات تجریدی ہے اور ساختیات کا کام اس نظامِ نشانات کے اصولوں اور کلیوں کو دریافت کرنا ہے:

"……….it (structuralism) is concerned with 'language' in a most general sense: not just the language of utterance in speech and writing. It is concerned with signs and thus with signification. Structuralist theory considers all connections and codes of communication; for example, all forms of signal (smoke, fire, traffic lights, Morse, hags, gesture), body language. Clothes, artifacts, status, symbols and so on." 57

سوسئیر کے مطابق نشان (Sign) دال (Signifier) اور مدلول (Signified) کا مرکب ہے۔دال (معنی نما) سے مراد کوئی ایسا لفظ جو لکھا یا بولا گیا ہو اور جو مادی وجود رکھتا ہو۔اور مدلول (تصورِ معنی) اس سے وابستہ خیال یا تصور کو کہتے ہیں جبکہ جس شئے کی نمائندگی کی جارہی ہے اس کو Referent کہتے ہیں۔مثال کے طور پر لفظ ''پتھر'' دال ہے اور پتھر کا خیال یا تصور مدلول ہے جبکہ خود پتھر Referent ہے۔اس سے اہم بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ وہ چیز جس کے بارے میں لفظ یا نشان نمائندگی کرتا

ہے وہ پس منظر میں چلی جاتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم بار بار کسی چیز کا ذکر کرتے ہیں تو ہم اس کی مادی شکل کا نہیں بلکہ اس کے خیال یا تصور کو ذہن میں رکھ کر کرتے ہیں۔ اس طرح دال اور مدلول کا رشتہ ناگزیر ہے اور ہر کوئی دال اپنے اندر ایک سے زیادہ مدلول رکھتا اور اسی طرح ایک مدلول میں متعدد دال ہوتے ہیں۔ سوسئیر نے کہا ہے کہ ان دو کے درمیان جو رشتہ ہے وہ من مانا (Arbitrary) ہے یعنی نام دینے کا عمل من مانا تفاعل ہے۔ گوپی چند نارنگ کے بقول:

''زبان یعنی اصوات یا الفاظ فی نفسہٖ چیزوں کو ظاہر نہیں کرتے بلکہ ان کا تصور قائم کرتے ہیں جو یہ دوسرے لفظوں سے زبان کے اندر رکھتے ہیں۔ یعنی جن اشیاء کا زبان ذکر کرتی ہے وہ اصل اشیاء (Real objects) ہیں جو زبان سے باہر وجود رکھتی ہیں بلکہ ان اشیاء کا تصور جو زبان کے اندر واقع ہے۔ بقول سوسئیر لفظ ''شیر'' سے مراد حقیقی شیر نہیں ہے بلکہ شیر کا تصور، اور زبان لفظوں (معنی نما) کا تصور باہمی مماثلتوں اور افتراقات کی بنا پر کرتی ہے۔ لفظ 'شیر' اور حقیقی شیر میں فی نفسہٖ کوئی رشتہ ایسا نہیں ہے جس کی وجہ سے اس لفظ کے یہ معنی مراد لیے جاتے ہیں۔ غرض 'معنی نما' اور 'تصورِ معنی' کا رشتہ من مانا اور خود مختارانہ ہے جو روایتاً زبان بولنے والوں میں قائم ہو گیا ہے''58

سوسئیر کے مطابق اشیا اور ان کو دیے گئے ناموں میں کوئی فطری اور منطقی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ من مانا اور کنونشنل (Conventional) ہے اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ کسی شئے کی نمائندگی کے لئے جو لفظ وضع کیا گیا ہے وہ اس شئے کی حقیقی فطرت اور داخلی خاصیت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ بس یہ نتیجہ اخذ کرنا آسان ہو جاتا ہے کہ کسی شئے کے لیے کسی لفظ کا انتخاب کرنا ایک اجتماعی ثقافتی عمل ہے شاید اسی لیے ایک ہی شئے کو مختلف معاشروں میں مختلف نام دیے جاتے ہیں گویا ہر معاشرہ نام دینے کے عمل میں آزاد اور خود مختار ہے کیونکہ معاشرہ کی اپنی مخصوص تہذیب اور ثقافت ہے جس کی رو سے وہ اشیا کی اسم دہی (Nomenclature) کا کام انجام دیتا ہے۔ اس طرح زبان میں 'معنی نما' اور 'معنی کا تصور' مقامیت کا منت پذیر ہے اور ساختیات میں مقامیت کا تصور اسی پس منظر میں تعمیر ہوا ہے۔

جیسا کہ پہلے مذکورہ ہوا ہے کہ سوسئیر زبان کو نشانات (Signs) کا مجموعہ قرار دیتا ہے اور مختلف نشانات کے آپسی رشتوں سے ابلاغ و اظہار ممکن ہو پاتا ہے۔ سوسئیر ان رشتوں کو دو مخصوص اصطلاحوں کے ذریعے سمجھاتا ہے ایک کو وہ عمودی

(Paradigmatic) اور دوسرے کو افقی (Syntagmatic) رشتہ قرار دیتا ہے۔عمودی رشتہ سے مراد لفظوں کا انتخاب کرنا ہے کیوں کہ کسی خیال یا تصور یا جذبہ یا تجربہ کو ظاہر کرنے کے لیے انسان مخصوص الفاظ کو منتخب کرتا ہے اس کے لیے انسان کو الفاظ کے ذخیرے کو کھنگالنا پڑتا ہے اور وہ اپنی ضرورت کے مطابق الفاظ یا لسانی نشانات کا انتخاب کرتا ہے۔ یہ انتخاب صرف فرق کی بنیاد پر ہی کیا جاسکتا ہے مثال کے طور پر اگر اس کو لفظ 'جوتا' ڈھونڈنا ہے اس کے لیے وہ 'جوتا' کا لفظ اس لیے منتخب کرے گا کیونکہ جوتا، کپڑا یا چپل نہیں ہے۔ان الفاظ کے مابین فرق کی بنیاد پر ہی لفظ یا لسانی نشان کا انتخاب ممکن ہے۔الفاظ کے انتخاب کے بعد انہیں ایک بامعنی جملے میں جوڑنا تاکہ اس سے وہ معنی حاصل ہوجائے جس کے لیے لفظوں کو آپس میں جوڑا گیا ہے اس طرح لفظوں کے آپسی ارتباط کو سوسئیر 'افقی رشتہ (Syntagmatic) کہتا ہے۔غرض لفظوں کی قربت کا یہ رشتہ اہمیت کا حامل ہے۔

ناصرعباس نیّر کے مطابق:

> ''سوسئیر نے زبان کے افقی (Syntagmatic) اور عمودی (Paradigmatic) رشتوں کی نشاندہی کی تھی۔عمودی رشتے انتخاب اور افقی رشتے ارتباط کی بنیاد پر استوار ہیں۔ یہ رشتے عام لسانی اظہار میں موجود ہوتے ہیں۔ ایک سادہ جملہ بنانے کے لیے بھی پہلے کسی لفظ کا انتخاب کرنا پڑتا ہے اور پھر منتخب الفاظ کو مربوط کرنا پڑتا ہے۔'' 59

اس بحث سے یہ نکات سامنے آتے ہیں کہ سوسئیر کی لسانیات ساختیات کی بنیاد ہے اس کی لسانیات کے جو بنیادی حوالے ہیں وہ یہ ہیں: یک زمانیت (Synchronic)، اضدادی جوڑے، نشانات کا نظام اور نشان کی دال اور مدلول میں تقسیم، زبان کے عمودی اور افقی رشتے۔

سوسئیر کے علاوہ رومن جیکب سن نے بھی زبان اور ادب کے تعلق سے نہایت ہی بصیرت افروز اور فلسفیانہ مباحث کو چھیڑا ہے لیکن رومن جیکب سن کی توجہ کا مرکز لسانیات ہے جبکہ سوسئیر نے زبان کے ثقافتی انسلاکات پر اپنی فکری کائنات کی تعمیر و تشکیل کی۔جیکب سن نے لسانی ساخت کے اندر ہی شعریات کی موجودگی کی بات کی، بلکہ اس نے ان لوگوں سے اختلاف کیا جو شعریات کو زبان سے الگ کرکے دیکھتے ہیں۔ وہ شعریات سے مراد محض شاعرانہ تفاعل نہیں لیتا بلکہ وہ اصول وقواعد مراد لیتا ہے جو ایک لسانی تشکیل کو ایک ادبی شہ پارہ بنانے میں معاون و مددگار ثابت ہوتے ہیں اس طرح اس نے ادب اور غیر ادب کے درمیان خطِ امتیاز کھینچنے کی طرح ڈالی۔وہ زبان کو ایک وحدت کے طور پر تسلیم کرتا ہے مگر اس وحدت میں اس کو کثرت کے

جلوے نظر آتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ایک زبان کئی کام انجام دے سکتی ہے اس کی وضاحت کے لیے جیکب سن نے ایک خاکہ پیش کیا ہے جو یوں ہے:

Context

Addresser Message Addresse

Contact

Code

اُردو میں اس نقشہ کے ترجمہ کو گوپی چند نارنگ نے اس طرح پیش کیا ہے:

تناظر

مقرّر کلام سامع

رابطہ

کوڈ

مذکورہ نظام کی کارکردگی سے ابلاغ ممکن ہوسکتا ہے یا اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ ان میں سے کسی ایک کی غیر موجودگی سے اظہار یا ابلاغ ناممکن اور دشوار بن سکتا ہے ان چھ عناصر کی اجمالاً وضاحت درج ذیل پیش ہے:

مقرر:۔ یعنی کوئی شخص بات کر رہا ہے۔

کلام:۔ کوئی بات کہی جاری ہے یا بیان کی جارہی ہے۔

سامع:۔ کوئی یہ بات سن رہا ہے یا کسی سے کہی جارہی ہے۔

مذکورہ تین عناصر تو بالکل سامنے کی چیزیں ہیں جو عمومی طور پر ابلاغ کے لیے ناگزیر سمجھے جاتے ہیں لیکن ان کے ساتھ ساتھ بقیہ تین

عناصر تناظر، رابطہ، کوڈ بھی ابلاغ کے عمل میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔

رابطہ:۔ مقرر اور سامع کے درمیان طبعی یا نفسیاتی رابطہ ضروری ہے۔ اور اسی رابطہ سے کلام سامع تک پہنچ جاتا ہے۔

کوڈ:۔ متکلم اور سامع کے درمیان کوئی کوڈ قدرِ مشترک کے طور پر ہوتا ہے۔ کوڈ سے مراد وہ لغت یا قاعدہ ہے جس کی مدد سے مقرّر یا سامع کسی بات کو ڈی کوڈ (De Code) کر کے اس کی تفہیم کرتا ہے۔

تناظر:۔ یہ کوئی بات کسی خاص حوالے سے کہی جاتی ہے اور اس کا خاص پسِ منظر ہوتا ہے جس کی وجہ سے سامع بات کو جلد از جلد سمجھ جاتا ہے اس حوالہ یا پس منظر کو تناظر کہتے ہیں۔

رومن جیکب سن نے اس خیال کی توثیق کی ہے کہ زبان کے متعدد اور متنوع وظائف (Functions) مذکورہ چھ عوامل کے منت پذیر ہے۔ ان وظائف کے پیدا ہونے سے متعلق جیکب سن لکھتا ہے:

> "The diversity lies not in a monopoly of some of these several functions but in different hierarchical order of functions." 60

متذکرہ بالا عوامل مل کر تفہیم و ترسیل کو ممکن بناتے ہیں یعنی ان میں سے کسی ایک کی عدمِ موجودگی ابلاغ کو ناممکن بنا سکتی ہے اگر کوئی عامل حاوی بھی ہے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ بقیہ ابلاغ کے عمل سے بے دخل ہیں البتہ ایک فوقیتی نظام (Preferential system) ہوتا ہے جس میں ایک عامل حاوی ہوتا ہے اور بقیہ اس کی معاونت کرتے ہیں۔

اس طرح رومن جیکب سن نے زبان کی لسانیاتی تشکیل کے تفاعل سے متعلق اپنے افکار کو ظاہر کیا ہے لیکن زبان کی ساخت اور ادب کی شعریات (Poetics) کے سلسلے میں وہ سوسئیر کی ہمنوائی کرتا ہے اور سوسئیر کے لسانی ماڈل کو اس نے ادبی تنقید کی بنیاد بنایا ہے مگر رومن جیکب سن کو دوسرے ساختیاتی نقادوں سے الگ بھی کیا جا سکتا ہے وہ اس طرح کہ تو دوروف اور بارت شعریات کو ثقافت میں دیکھتے ہیں جبکہ جیکب سن شعریات کا ماخذ و منبع لسانیات کو قرار دیتا ہے۔

اب تک ساختیات اور ساختیاتی تنقید کی تفہیم و تعبیر کے لیے سوسئیر کے لسانی ماڈل اور رومن جیکب سن کے خیالات کو پیش کیا گیا ہے۔ اب ادب کی تعبیر و توضیح میں ساختیاتی تنقید کی کارکردگی اور دائرہ کار کا جائزہ لیا جائے اور ساختیاتی تنقید کی ترجیحات اور ممکنہ امکانات بھی زیرِ بحث رہیں گے۔ اس کے علاوہ مختلف دانشوروں کے ساختیاتی تنقید پر اعتراضات کا بھی

محاکمہ کیا جائے گا۔ نیز اردو میں ساختیاتی تنقید کے نظری اور عملی نمونوں سے بھی بحث کی جائے گی۔

ساختیاتی تنقید جس شعریات پر اصرار کرتی ہے وہ ثقافت کی زائدہ ہے اس سے ایک نئی بحث شروع ہو جاتی ہے کہ ادب خود مکتفی اور خود مختار نہیں ہے کیونکہ یہاں پر یہ ثقافت کے تابع ہو کر رہ جاتا ہے، دوسری بات یہ کہ ساختیاتی تنقید ادبی مطالعے کو ثقافتی مطالعہ قرار دیتی ہے۔ وہ براہ راست متن پر اپنی توجہ مرکوز کرنے کے بجائے اس نظام کی تلاش و جستجو کا سفر کرتی ہے جس کی رو سے متن میں معنی تشکیل ہو جاتے ہیں۔ ان دو بنیادوں پر ساختیاتی تنقید، روسی ہئیت پسندی اور نئی تنقید سے الگ ہو جاتی ہے کیونکہ موخرالذکر دونوں تنقیدی دبستانوں کا سارا زور ادب کی ادبیت اور اس کی خود مختاریت پر تھا:

> ''ساختیات نہ صرف تنقید کے نقالی والے نظریے (Mimetic Criticism) (یعنی ادب بنیادی طور پر حقیقت کی نقل ہے) کے خلاف ہے، بلکہ یہ تنقید کے اظہاری نظریے (Expressine Criticism) (یعنی ادب بنیادی طور پر مصنف کی ذات کا اظہار ہے) کے بھی خلاف ہے۔ نیز ''نئی تنقید'' (New Criticism) یا ہئیتی تنقید کے اس موقف کے بھی خلاف ہے کہ فن پارہ خود مکتفی ملفوظی نظام رکھتا ہے اور فن پارے کی بحث فقط چھپے ہوئے لفظوں تک محدود رہنا چاہیے۔'' 61

ساختیات کے ایک اہم مفکر اور نقاد تو دوروف متن کی تشریح و توضیح اور تعبیر کو تنقید کا کام نہیں بتاتے ہیں بلکہ اُن عمومی اصولوں کی تلاش و جستجو تنقید کا دائرہ کار ہیں جن کی وجہ سے کوئی لسانی تشکیل ادبی یا فنی شہ پارہ ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

> "In Contradiction to the interpretation of particular works, it does not seek to name meaning, but aims at a knowledge of the general laws that preside over the birth of each work." 62

واضح رہے کہ ساختیاتی تنقید متن میں معنی کی موجودگی سے انکار نہیں کرتی ہے بلکہ یہ ان اصولوں کی دریافت کرنے کی سعی کرتی ہے۔ جن سے فن پارہ یا ایک لسانی تشکیل میں معنی پیدا ہوتے ہیں۔ متن سے معنی کی توضیح، تشریح اور تعبیر، تنقید کا ایک عمومی تصور ہے جس کے متعلق نئے تنقیدی نظریات نے سوالات قائم کیے ہیں۔ ادب کی شعریات کو ثقافت کے حوالے سے سمجھنے کے لیے

اہم ساختیاتی نقاد رولاں بارت متن میں آئیڈیولوجی کی موجودگی پر اعتراض نہیں کرتے ہیں بلکہ اس نے ایک جگہ لکھا ہے کہ:

> "......... The major sin in criticism is not to have an ideology but to keep quiet about it." 63

اس طرح رولاں بارت کی یہ بات ان معترضین کے لیے ایک اہم بلکہ استدلالی جواب ہے جو ساختیاتی تنقید کو اس لیے فضول اور مشروط سمجھتے ہیں کہ اس نے معنی سے مکالمہ یا مصافحہ کرنے سے انکار کیا ہے۔ ہر نظریے کو غیر مشروط ذہن سے جانچنے کی ضرورت ہے۔ غالبؔ نے بجا طور پر فرمایا ہے ؎

بخشے ہے جلوہ گل ذوقِ تماشا غالبؔ
چشم کو چاہیے ہر رنگ میں وا ہو جانا

گویا ساختیاتی تنقید براہ راست متن سے معنی کے مواخذہ کی بات نہیں کرتی ہے بلکہ ان عناصر اور عوامل کی تلاش و جستجو کا کام کرتی ہے جو مل کر ادبی روایت کے تجریدی نظام کی تشکیل و تعمیر میں سرگرمی دکھاتے ہیں اور جو کسی بھی تحریر کو ادبی فن پارہ بنانے پر قدرت رکھتے ہیں:

> ''ساختیاتی ماہرین کی بڑی تعداد نے ادبی فن پارہ کا مطالعہ اس طرح کیا ہے کہ ان اصولوں اور ضوابط یا آنکھوں سے اوجھل ان رشتوں اور روابط کا پتہ چلایا جا سکے جو مل کر ادبی روایت کے تجریدی نظام کی تشکیل کرتے ہیں اور جن کی وجہ سے کوئی بھی فن پارہ معنی بنتا ہے۔ گویا ساختیاتی سرگرمی کا مقصود و منتہا نظروں سے اوجھل اس نظام کو یا ادب کے ان پوشیدہ اصولوں کو دریافت کرنا تھا جن کی بدولت ادب بطورِ ادب کے متشکل ہوتا ہے۔'' 64

ساختیاتی تنقید کی اس وسعت اور ہمہ جہتی کے باوجود بھی اس پر اعتراضات کا ایک طوفان اُمڈ آیا اور یہ اعتراضات کئی سطحوں اور مرحلوں پر کیے گیے۔ جو درج ذیل ہیں:

1. ساختیاتی تنقید نے بلاوجہ دوسرے علوم طبیعات، فلسفہ، نفسیات، علم الانسان اور لسانیات کو تنقید کے ساتھ ہم آمیز کیا۔
2. ساختیاتی تنقید پر جو سب سے اہم اعتراض ہے وہ یہ کہ اس نے ادبی طریقہ کار کی بجائے سائنسی طریقہ کار اپنایا۔
3. ساختیاتی تنقید کا انداز میکانکی ہے۔

4. ساختیاتی تنقید نے تخلیق کار کی نفی کر کے قاری کو اہمیت دی۔

5. ساختیاتی طریقہ کار نے انسانی وجود کی انفرادیت سے انکار کیا۔

6. ساختیاتی تنقید میں فرد ایک ثقافتی Product ہے۔

7. ساختیاتی تنقید سے پس ساختیات نے اس بنیاد پر انحراف کیا کہ اولالذکر نے موضوعِ انسانی کی بے دخلی اور معنی کی وحدت پر اصرار کیا۔

8. ساختیاتی تنقید کے زوال کا سب سے اہم سبب اس کا فلسفیانہ انداز ہے۔

یہ سوالات اپنی جگہ بجا مگر ساختیاتی تنقید نے کچھ ایسے دعوے کیے تھے جن پر پورا نہ اترنے کی پاداش میں اسے سوالات کے کٹہرے میں کھڑا کیا گیا۔ ساختیات کے موئدین کے مطابق اس نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا ہے کہ وہ خالص تنقیدی نظریہ ہے جو ادبی محاسن و معائب کو سامنے لا سکے (یہ طریق کار سابقہ تنقیدی دبستانوں کا شیوہ تھا) بلکہ ساختیاتی نقادوں نے ہر جگہ یہ بات دہرائی کہ ساختیات فقط ایک فلسفیانہ اصول اور طریقہ کار ہے'' 65-ایک بات بالکل واضح ہے کہ ساختیات کا تعلق ثقافتی انسلاکات سے ہے جہاں ادب کو بحیثیت کُل کے دیکھا جاتا ہے۔ یہ معنی کے ایک نظام کی طرح کام کرتا ہے۔ چونکہ ادب کی شعریات ثقافت کے مختلف عناصر سے تشکیل کے مراحل سے گزرتی ہے لہٰذا کوئی بھی ادبی کام ایک خودمختار کُل نہیں ہوتا۔ اس طرح ادب فی نفسہ خودمختار نہیں ہوتا بلکہ ثقافت کی Significance کے نسبتاً بڑے اسٹرکچر کا حصہ ہوتا ہے۔ اسی طرح دوسرے علوم کو ساختیاتی تنقید کے ساتھ خلط ملط کرنے کے سوال پر جوناتھن کلر لکھتا ہے:

> ''اصل بات یہ ہے کہ ساختیاتی تنقید نے ان تمام علوم کی مدد سے تخلیق میں مضمر معنی کی تشریح کرنے کے بجائے ان اسٹرکچروں پر توجہ مبذول کی ہے جو معنی کی تخلیق کرتے ہیں، چاہے ان کا تعلق نفسیات سے ہو یا فلسفہ، طبیعات، منطق، لسانیات اور علم الانسان وغیرہ سے'' 66

اس طرح ساختیات دوسرے تنقیدی دبستانوں کی طرح ادب کے ایک پہلو کو محیط ہے اور جب یہ کہا ہی گیا ہے کہ یہ محض مطالعہ اور طریق کار کا نام ہے۔ تو پھر اس سے چِڑنے کا کیا جواز ہے؟

☆☆☆☆☆

حوالہ جات

48. گوپی چند نارنگ، ساختیات، پس ساختیات اور مشرقی شعریات،قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان، دہلی،2004،
ص-41-40۔

49. ناصر عباس نیّر، جدید اور مابعد جدید تنقید،انجمن ترقی اُردو پاکستان،کراچی (پاکستان)،سنہ اشاعت 2004،ص۔۷۵

50. گوپی چند نارنگ، ساختیات، پس ساختیات اور مشرقی شعریات،قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان،نئی دہلی، ص
40-

51. احمد سہیل، ساختیات: تاریخ،نظریہ اور تنقید،تخلیق کار پبلشرز، دہلی (بھارت)، سنہ اشاعت1999،ص38

52. گوپی چند نارنگ، ساختیات، پس ساختیات اور مشرقی شعریات،قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان، نئی دہلی۔
ص-60

53. Ferdinan De Saussuare, "the object of study" in Modern critical theory (Edited by David Lodge), New Yark, Long man, 1988, p 3.

54. ناصر عباس نیّر، جدید اور مابعد جدید تنقید،انجمن ترقی اُردو پاکستان،کراچی (پاکستان)،سنہ اشاعت 2004،ص۔
76-77

55. Ferdinand De Saussuare, "The object of study" ,Penguin Books, London, 1996, p-5.

56. ibid.

57. Dictionary of literary terms and literary theories, by J.A. Cuddon, London, Penguin Book, 1998, page 868

58. گوپی چند نارنگ، ساختیات، پس ساختیات اور مشرقی شعریات،قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان،نئی دہلی۔ص

-77

59. ناصر عباس نیّر، جدید اور مابعد جدید تنقید، انجمن ترقی اُردو پاکستان، کراچی (پاکستان)، سنہ اشاعت 2004، ص-99

60. Roman Jacobson, "Linguistics and Poetics" in Modern Critical theory (Edited by David Lodge), London, P. 35.

61. گوپی چند نارنگ، ساختیات، پس ساختیات اور مشرقی شعریات، قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان، نئی دہلی۔ ص۔ 52

62. Tzvetan Todorov, "Definition of poetics, Penguin Books, London, p. 32.

63. Roland Barthes, "Criticism as language" in Mordern literary Criticism," edited by Lawrence I. Lipking and Awalten litz, Athenaum New Yark, 1972, P. 434.

64. گوپی چند نارنگ، ساختیات، پس ساختیات اور مشرقی شعریات، قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان، نئی دہلی، سنہ اشاعت ۲۰۰۴ء (طبع سوم)۔ ص54-53

65. یوسف سرمست، نظری اور عملی تنقید، یوسف سرمست، آل انڈیا ریسرچ اسکالرس کونسل، حیدرآباد (بھارت)، سنہ اشاعت 2002، ص۔80

66. تحسین زہرا، تنقید کا ساختیاتی رخ، مشمولہ: مخزن، لاہور (پاکستان)، شمارہ 9، 2005، ص۔52۔73.

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رابطہ:

ڈاکٹر محمد الطاف آہنگر

اسسٹنٹ پروفیسر اُردو

نظامت فاصلاتی تعلیم، کشمیر یونیورسٹی

موبائل: 9419763548

ای میل:altafurdu@gmail.com

واٹس اپ:7006425827